R. No. 2150/37 — Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

جلد ۲۴ - نمبر ۲۹	ایڈیٹر: - آل احمد سرور	یکم اگست ۱۹۶۵ء

اداریہ

کرپلانی جی کی گہر افشانی

اخبار "نیشنل ہیرلڈ" میں اردو ہندی کے سلسلے میں ایک بحث چلی۔ کچھ دن بعد ایڈیٹر نے اس پر ایک اداریہ لکھا اور بحث ختم کر دی۔ اب کرپلانی جی کو خیال آیا کہ یو۔پی لینگویج کمیشن کا کوئی ذکر نہیں کرتا اور اسی لیے انھوں نے ۷ر جولائی کے نیشنل ہیرالڈ میں ایک طویل مراسلہ رقم فرمایا ہے۔

یو۔پی لینگویج کمیشن اس لیے مقرر کیا گیا تھا کہ وہ اردو کے سلسلے میں اتر پردیش کی حکومت کے احکام اور ان پر عمل کا جائزہ لے، اردو دوستوں کو جو شکایات ہیں ان کی تحقیق کرے اور اردو کی بقا اور ترقی کے لیے ضروری سفارشات کرے۔ کمیشن نے ان میں سے کوئی کام انجام نہیں دیا۔ اب کرپلانی جی ان سفارشات کی روشنی میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یو۔پی میں اردو کی پوزیشن بالکل محفوظ ہے اور اس کی ترقی کے لیے مناسب سفارشات کر دی گئی ہیں۔ ہم ان کی توجہ لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی پانچویں اور چھٹی رپورٹ کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ کمشنر نے اعداد و شمار سے ثابت کیا ہے کہ ابتدائی اسکولوں میں اردو کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد بہار سے بہت کم ہے، حالانکہ اردو داں آبادی کو دیکھتے ہوئے یہ تعداد بہار سے کم سے کم دوگنی ہونی چاہیے تھی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اتر پردیش میں ابتدائی منزل پر اردو کے ذریعہ سے تعلیم کے لیے کیا کوشش کی گئی ہے۔ کمشنر نے یہ بھی لکھا کہ ابھی تک ہر جگہ اڈوانس رجسٹر نہیں ہیں جس کی وجہ سے کمیشن کی یہ سفارش بھی کوئی خاص وزن نہیں رکھتی۔ مادری زبان کے ذریعہ سے ثانوی تعلیم کے اصول کو کمیشن نے تسلیم کیا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ کمشنر کے بیان کے مطابق شاید ہی چند اسکولوں میں اردو کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی ہو اور اختیاری مضمون کی حیثیت سے اردو پڑھانے کا انتظام بھی ہر جگہ نہیں ہے۔ جن ضلعوں کو اردو میں احکام و قوانین شایع کرنے کے لحاظ سے خاص ضلع قرار دیا گیا تھا ان میں بھی کوئی ثبوت اس بات کا نہیں ملا کہ ان ضلعوں میں اردو کو کوئی اہمیت حاصل ہے۔ غرض کمیشن نے بجائے اردو دوستوں کی جائز شکایات پر غور کرنے کے حکومت یو۔پی کو نیک چلنی کا ایک سرٹیفکٹ ضرور عطا کر دیا ہے۔ غضب یہ ہے کہ اسلامیہ اسکولوں اور مکتبوں کو اردو میڈیم اسکول قرار دے کر اپنے خیال میں بڑا تیر مارا ہے۔ ہمیں دراصل اسلامیہ اسکولوں کو اردو میڈیم قرار دینے پر دو وجوں سے اعتراض ہے۔ اول تو اس طرح کمیشن نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ صرف ان مدرسوں میں اردو کی ضرورت ہے جہاں مسلمان بچے پڑھتے ہیں، دوسرے اس نے عام مدرسوں یعنی بیسک مدرسوں میں اردو کے ذریعہ سے تعلیم کے مسئلے کی اہمیت کو اس طرح کم کر دیا ہے۔ پھر کمیشن نے اردو اور ہندی کو ایک زبان قرار دینے پر بڑا زور صرف کیا ہے حالانکہ یہ مسئلہ اس کے دائرے سے خارج تھا۔

غرض اردو دوستوں کو اس قسم کی طفل تسلیوں سے نہیں بہلایا جا سکتا۔ کمیشن کی سفارشات سخت مایوس کن ہیں اور

اس شمارے میں

انجمن ترقی اردو ہند اس سلسلے میں اپنی رائے سے حکومت ہند کو مطلع کر چکی ہے۔ ہم عمل دیکھتے ہیں۔ عمل کی رفتار کا اندازہ لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹ سے ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت یو پی کا ریکارڈ نہ صرف مایوس کن بلکہ شرمناک ہے۔ سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں، اگرچہ شور مچانے کے بعد کچھ اُستاد رکھے گئے ہیں مگر ابھی تک ضرورت کے مطابق انتظام نہیں ہوا اور ہمیں اندیشہ ہے کہ اس وقت تک نہ ہو پائے گا جب تک اردو کو اتر پردیش میں سرکاری حیثیت نہیں دی جائے گی۔

مولوی بشیر الحق دسنوی کا انتقال

علمی و ادبی حلقوں میں یہ خبر افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ کچھ دن ہوئے مولوی بشیر الحق دسنوی (عظیم آبادی) کا پٹنہ میں انتقال ہو گیا۔ مرحوم دیسنہ (بہار) کے رہنے والے تھے، پولیس کی ملازمت سے وظیفہ پاکر پٹنہ میں مستقل طور پر سکونت اختیار کرلی تھی۔ لکھنا پڑھنا دن رات کا شغل تھا۔ اردو کتابوں پر بالخصوص ایسی عمیق نظر رکھتے تھے کہ اچھے اچھے محقق بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ دیسنہ لائبریری کے ذخیرے میں بہت سی نایاب اور کمیاب کتابیں ان کی عطا کردہ ہیں۔ مرحوم کے بعض مستند ادبی نوٹ اکثر "ہماری زبان" میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ وہ دو چھوٹی چھوٹی کتابوں "تبرکات اقبال" اور "اصلاحات اقبال" کے مصنف بھی تھے۔

مرحوم لوگوں کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے طبیعت میں انکسار کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ ان کے ہم وطن علامہ سید سلیمان ندوی اُن سے بڑی محبت فرماتے تھے۔

(شہاب الدین دسنوی)

ماہنامہ "صبح" دہلی

انجمن ترقی اردو دلی کا سہ ماہی ادبی رسالہ "صبح" ماہنامہ کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا ہے پہلا شمارہ تیار ہے محبان اردو کی طرف سے سرپرستی کی ضرورت ہے۔ قیمت سالانہ چھ روپے۔ فی پرچہ پچاس پیسے آج ہی خریدار بن جائیے۔

ایجنٹ حضرات شرائط ایجنسی طلب فرمائیں۔

(بہار برنی جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ)

جامعہ اردو کے رجسٹرار کا تقرر

مولوی احمد علی شاہ جعفری ایم اے، آئی اے ایس (ریٹائرڈ) بے پور (راجستھان) کا تقرر رجسٹرار جامعہ اردو علی گڑھ

کی حیثیت سے عمل میں آیا ہے۔"

(نامہ نگار)

اردو کتاب پر انعام

مسٹر مقبول احمد لاری صدر آل انڈیا میر اکاڈمی لکھنؤ نے اردو کی بہترین کتاب پر ایک ہزار روپیہ دینے کا اعلان کیا ہے۔

سنہ ۱۹۶۴ء کی چھپی ہوئی کتابوں کی پانچ جلدیں سکریٹری آل انڈیا میر اکاڈمی۔ لاری ہاؤس۔ لکھنؤ کے پتے پر آجانی چاہئیں مزید معلومات کے لیے اسی پتے پر مراسلت کی جاسکتی ہے۔

(مہتمم نشر و اشاعت)

ماہنامہ "آذر" بھوپال کا اجرا

جو اردو کے تحفظ و بقا کا علمبردار صحت مند و ترقی یافتہ ادب کا آئینہ دار اتحاد و یکجہتی کا نقیب ہوگا اور جس کا ہر شمارہ ملک کے ممتاز فنکاروں کے فن پاروں سے مزین ہوگا۔

جناب شفا گوالیاری کی زیر سرپرستی ماہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں نہایت آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے۔ واحد پرچی خاموش کاظمی، مظفر رئیس مدیران اعزازی ہیں۔

منیجر ماہنامہ "آذر" باغ فرحت افزا جہانگیر آباد بھوپال ایم پی

بین اقوامی خیر سگالی پر نہرو انعام

نئی دہلی ۱۲ رجون۔ مارچ سنہ ۱۹۶۶ء میں بین اقوامی خیر سگالی کے بارے میں پہلے جواہر لال نہرو ایوارڈ کا اعلان کیا جائے گا۔ یہ ایوارڈ ایک لاکھ روپے کی مالیت کا ہوگا۔ پنڈت نہرو کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ثقافتی تعلقات کی انڈین کونسل نے اس کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ ایوارڈ اس شخص کو دیا جائے گا جس نے متعلقہ سال کے دوران بین اقوامی خیر سگالی کو بڑھانے کے لیے سب سے زیادہ حصہ لیا ہوگا۔ یہ انعام نوبل پرائز اور ایسے ہی دوسرے انعامات کے برابر ہے۔

(قومی آواز)

تصحیح

۱۵ رجولائی سنہ ۱۹۶۵ء کے "ہماری زبان" میں عبد الغنی صاحب کے مضمون "مسئلہ اردو کے دو رخ" کی آخری سطر (تجویز نمبر ۲) کو "اتفاق رائے سے ایک جامع تعلیمی اسکیم مرتب کرلی جائے" کے بجائے "اتفاق رائے سے ایک جامع تعلیمی اور لسانی اسکیم مرتب کرلی جائے" پڑھا جائے۔

(ادارہ)

ملک اسمٰعیل حسن خاں

حسرت ——— ایک تاثر

بیسویں صدی کے غزل گو شعراء میں جو شاعر جدید غزل کے "عناصر اربعہ" میں شمار ہوتے ہیں وہ فانی، اصغر، حسرت اور جگر ہیں، لیکن ان کے علاوہ بھی بیسویں صدی میں بہت سے غزل گو شاعر موجود تھے اور اب بھی ہیں، ان میں سے بعض لائق قدر اور قابل توجہ ہیں اور بیشتر ایسے بھی جنھوں نے اپنے "فریب فن" سے ایک طلسم باندھا ہے اور اس طلسم میں دوسروں کو گرفتار بھی کیا ہے۔

دور کیوں جایئے جدید غزل گو شعراء کے ان "عناصر اربعہ" ہی کو تنقید و تجزیہ کی میزان میں رکھ لیجیے، یہ حقیقت آپ پر منکشف ہو جائے گی کہ آج حسرت و جگر کی شاعری کیا حیثیت رکھتی ہے؟ یا وہ کس درجہ اور اہمیت کی مالک ہے؟ شاعری اسی وقت بڑی یا زندہ رہنے کے قابل بنتی ہے جب کہ اس میں "درد زندگی کا درماں" اور مسائل زندگی کا احساس پیدا ہو جائے اور اس کا دائرۂ فکر وسیع تر ہو، ورنہ کچھ مدت کے بعد اس کی حقیقت "سیمابی نمود" کی سی ثابت ہوتی ہے، جوانی کا یہ دریائے بے کراں جلد از جلد اس کے اثر کو زائل کر دیتا ہے، اور پانی اتر جانے کے بعد اس موتی کی قدر "بے قدری" میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

حسرت کے ذکر سے پہلے ایک مثال اور اس کا حشر دیکھتے چلیے اور وہ یہ کہ ایک زمانہ میں ناخدائے سخن "نوح ناروی" جانشین حضرت داغ دہلوی "جو میرے خیال میں شاعر نہیں بلکہ composer سے زیادہ نہ تھے، یا زیادہ سے زیادہ انھیں "ادبی شاعر" کہہ لیجیے" بہت مشہور تھے، جب وہ مشاعرہ میں دادِ سخن دیتے تھے، تو ساری محفل مشاعرہ ان کے طرز شعر خوانی پر گونج اٹھتی اور نوح صاحب ہی کے ہاتھ بازیٔ مشاعرہ رہتی تھی۔ ان کے یہ شعر لوگ ان سے بار بار سنا کرتے تھے۔

وہ کہتے ہیں اٹھو مری انجمن سے مگر اب تو اٹھا نہیں جانے والا
کبھی کر بلایا، بلا کے بٹھایا، بٹھا کے اٹھایا، اٹھا کے نکالا

ایک، دو، تین، چار، پانچ نہیں — سب خطائیں مری معاف کرو
دکھانے پہ چنچ عالم اک پیام شوق بھیجو — الجھنا، وہ رکھنا، لڑنا، بگڑنا، [illegible]
خوشی کو ستم نہ کیوں ہو، یہ جانفشانی ہے اور ہم ہیں
کہ آپ ہیں، آپ کی چھری ہے، چھری کو [illegible] ہے اور ہم ہیں

لیکن جہاں کہیں وہ حیات و کائنات کی کوئی بات بھی کرتے ہیں وہاں بھی قافیہ پیمائی سے آگے نہیں بڑھتے، اور بات تو وہ ہوتی ہے جو ان کی نظر میں نئی لیکن سب کی نظر میں بیحد فرسودہ و پیش افتادہ

پھر انداز بیان بھی بالکل بے جان و رسمی [illegible]

گلزار جہاں میں آئی خزاں شاخوں سے جدا ہر پتہ ہے
پھولوں کا تو مجھ کو رنج نہیں کلیوں کا غم البتہ ہے

اس مثال سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ مشاعروں کے ذریعے یا کسی سیاسی تحریک یا تحریکات یا آواز کے باعث مشہور ہو کر دوسروں کو اپنے "فریب فن" میں مبتلا کر لینا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ دوسروں کا اس فریب سے بچنا اور اس کا پردہ چاک کرنا، ایسے شعراء کو اگر "فریبی شاعر" کا نام دیا جائے تو میرے خیال میں بیجا نامناسب ہوگا۔

"فریبی شاعروں" کی فہرست بہت طویل ہے، جس کی یہاں اندراج کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن انہی "فریبی شاعروں" میں حسرت اور جگر جیسے "مردانِ ذوالاکرام اور شاعرانِ عالی مقام" بھی ہیں، جنھوں نے اپنے "فریب فن" سے کافی مدت تک عوام و خواص کو گمراہ کیا اور اپنے فریب میں مبتلا رکھا ہے، جگر کے متعلق پھر کسی موقع پر اظہار کیا جائے گا اس وقت حسرت کی اس فریب انگیزی کی طرف صرف چند اجمالی اشارے مقصود ہیں۔

حسرت بیسویں صدی کے غزل گو شعراء کے "میر کارواں" اور "محی الغزل" کہے جاتے ہیں، اردو غزل کا احیاء (Renaissance) انہی کی غزل گوئی کے ذریعہ ہوا ہے، انہی کی کوششوں سے اردو غزل کو دوبارہ بارگاہ ادب میں قبولیت کا شرف ملا ہے۔ اس دور میں جب کہ حالی کے مقدمے کے خیالات کی تبلیغ و اشاعت کے اثر و فیضان سے غزل سے بیزاری و نفرت کا اظہار ہو رہا تھا، اور نظم دن بدن مقبول خاص و عام ہوتی جا رہی تھی، زیادہ تر حسرت ہی کی کوششوں سے اس کی مقبولیت قائم ہوئی، اور حسرت سیدھی سادی جذبات نگاری سے برابر غزل کی آبیاری کرتے رہے، اس تنظیم میں ان کے ساتھ دوسرے حضرات بھی تھے، لیکن حسرت جس خلوص اور انہماک سے کشت غزل کو شاداب کرتے رہے اسی کے باعث اس تاریخی کارنامے کا سہرا حسرت کے سر ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اس کوشش کے باوجود ان کے دوسرے معاصرین مثلاً فانی، اصغر، یگانہ وغیرہ اس سفر میں ان سے آگے نکل گئے اور حسرت کی حیثیت زیادہ تر تاریخی ہو کر رہ گئی، اور یہ تسلیم کیا جانے لگا کہ جب بھی جدید اردو غزل کا تذکرہ مرتب کیا جائے گا، ان کی اس خدمت اور اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن بحیثیت شاعر وہ کس رتبہ کے مستحق ہیں؟ اسے نقادان ادب نے تشنہ [illegible] کی ہے اور کرتے رہیں گے!

پہلی بات جو ان کی سادی سی شاعری کے بعد ذہن کے افق پر ابھر کر آتی ہے یہ ہے کہ ان کا دائرۂ فکر بہت محدود ہے وہ صرف حسن و عشق کے شاعر ہیں، یہی ان کا خاص رنگ اور میدان ہے اور اس میں وہ بہت کچھ کامیاب ہیں، حسرت صاحب کے

بقول "ان کا حسن و عشق اُن کے ہجر و وصال، سب اِسی دنیا کی چیزیں ہیں، مگر انھوں نے اُن میں ایک ابدی چاشنی بھر دی ہے اور زمان و مکان سے بے نیاز کر دیا ہے۔ انھوں نے حسن کو ایک آسمانی مخلوق سمجھ کر نہیں پوجا اس کے لباس، اس کی خوشبو، اس کے سونے جاگنے کی وضعداری، اس کے اضطراب و کشمکش سے جانا پہچانا۔ حسرت نے اُس خوش گوار اور صحت مند عشق کا ذکر کیا ہے جو حسن کے لطف و کرم سے شاداب اور سرشار ہے۔ انھوں نے غزل کی عوامی اپیل بڑھا دی مگر اُسے شائستگی کے معیار سے داغ کی طرح گرنے نہ دیا۔ انھوں نے عشق سے اس کی تلخی و محرومی، اس کی حرماں نصیبی اور رسم پسندی چھین لی، اِسی لیے غزل میں حسرت کا بڑا درجہ ہے۔"

یہ سب درست لیکن ان کا بڑا درجہ خالص عشقیہ شاعری میں ہے کیونکہ اُن کے مضامین و موضوعات میں کوئی تنوع نہیں، ان کا کینوس (canvas) بہت چھوٹا ہے، وہ اپنے دور کے مومن ہیں، ان کے یہاں زندگی کا محض ایک رخ ہے اور وہ ہے "حسن و عشق"۔ اور بچہ خوبی یہ کہ یہ "حسن و عشق" کا موضوع بھی اختر شیرانی کی طرح متنوع، رنگا رنگ اور انتہائی لطیف نہیں، اس کا اندازہ اس مثال سے ہو سکتا ہے کہ اُن کی تقریباً ساری زندگی "کوچۂ عشق کے ایسے بکھیڑے" سے زیادہ سیاست کی گرم بازاری میں گذری لیکن اس کے باوجود اُن کے یہاں اس کا اظہار صرف چند مقامات پر بالکل رسمی طور پر ملتا ہے، حالانکہ وہ ادب کو سیاست کا ایک شعور دے سکتے تھے، اور مولانا اقبال ہی کی سے کہیں زیادہ ادب میں سیاست کا نکھار پیدا کر سکتے تھے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا، یا نہ کر سکے، اس کی وجہ خواہ اُن کی شخصیت کی کوئی کمزوری ہو یا اُن کے افتادِ مزاج کی کوئی خصوصیت، لیکن بہر حال یہ ایک گفتنی اور لائقِ توجہ امر ہے۔ اُن کی سیاست کے ذکر کے ساتھ ذہن اُن کے صرف اس شعر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

لیکن کیا اس شعر میں کوئی سیاسی بصیرت و بصارت یا کوئی رمزِ سیاست موجود ہے؟ ہاں یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ مولانا نے جیل میں چکی بھی چلائی تھی، یہ بات تو کسی تاریخ یا اُن کے تذکرے و سوانح سے معلوم ہو سکتی تھی کہ وہ سودیشی کی تحریک کے زبردست حامی تھے۔ یا انھوں نے سزا کاٹی اور وہ بھی قید با مشقت، لیکن اس سے ادب میں کونسی بصیرت افروز خوبی پیدا ہوئی، یا ادب کو ان کی شخصیت کے اس پہلو نے کیا عطا کیا؟ مولانا محمد علی، مولانا ظفر علی خاں اور جوش کی زندگی و شاعری کے ساتھ جب مولانا کے اس پہلو کی طرف نظر جاتی ہے تو تعجب، مایوسی و افسوس کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

سطورِ بالا میں میں نے لکھا تھا کہ وہ اپنے دور کے مومن ہیں، اور مومن خلیل الرحمٰن اعظمی کے الفاظ میں "شعرائے اُردو میں اپنے مواد کے اعتبار سے صفِ دوئم کے شاعر ہیں"۔ حسرت کو بھی بیسویں صدی کے غزل گو شعرا کی دوسری صف میں کھڑا کرنا چاہیے، صفوں کی ترتیب کچھ اس طرح کی جا سکتی ہے:

اقبال ۔ فانی ۔ اصغر ۔ فراق ۔ یگانہ
شاد ۔ حسرت ۔ ریاض ۔ سیماب ۔ جگر

تیسری صف کا ذکر غیر ضروری ہے اس میں باقی سب کھڑے ہیں، سرور صاحب نے "ادب اور نظریہ" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "غنائی یا عشقیہ شاعری میں جذبات کی گہرائی اور صداقت بہت کچھ سہی، مگر عشقیہ شاعری میں بھی بڑی شاعری محض عشقیہ نہیں ہوتی، اور بڑی شاعری کے لیے خیالات کی بلندی یعنی تخیل کی ندرت اور کائناتی یا آفاقی رنگ ضروری ہے، یعنی عشق کو محض عشق نہیں زندگی بھی ہونا چاہیے"۔ لیکن حسرت کی شاعری میں نہ تو خیالات کی بلندی ہی ہے اور نہ کائناتی یا آفاقی رنگ، وہ نری تلخی، جذباتی اور بڑی کھلی عشقیہ شاعری ہے، اس میں رس، رنگینی اور مزہ ہے، لیکن گہرائی و گیرائی اور گمبھیرتا ناپید ہے، اپنی شاعری کے متعلق خود اُن کی ذاتی رائے یہ ہے:

"میری شاعری میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوتی ہے، لیکن آپ کو اس کی طرف توجہ نہیں کرنا چاہیے۔ وہ ہوس ناکی کی شاعری ہے، اس کا مقصد تفنن اور تفریح ہے۔ آپ کا مقصد اس سے بلند ہونا چاہیے آپ کو زندگی کے اہم اور سنجیدہ مسائل کی طرف توجہ کرنا چاہیے"[1]

شاید اسے کوئی انکساری پر محمول کرے لیکن حقیقت کچھ ایسی ہی ہے، یہ ہوس ناکی اور تفنن و تفریح ہی کی شاعری ہے، اس کو پڑھ کر طبیعت تھوڑی دیر کے لیے محظوظ ہوتی اور لطف اٹھاتی ہے، انھوں نے اپنے ایک حصۂ کلام کو فاسقانہ کا نام دیا ہے۔ غالب نے کہا تھا کہ "عشقیہ شاعری سے مجھے وہ بعد ہے جو کفر سے ایمان کو ہو سکتا ہے"۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے یہاں عشقیہ شاعری نہیں ملتی، یا انھوں نے عشقیہ شاعری نہیں کی، یا وہ عشق و محبت کی اہمیت و حیثیت کے قائل نہ تھے بلکہ وہ مروجہ تصورِ عشق کو دماغ کا خلل سمجھتے تھے، انھوں نے اس قسم کی عشقیہ شاعری سے اجتناب کیا جو اُن کے پیشروؤں اور معاصرین کے یہاں ملتی ہے اور جس میں تقلید، مصنوعیت، روایت پرستی، افسردگی اور سستی جنسیت یا ہوس پرستی کے علاوہ کوئی کیفیت نہیں ہے، وہ اردو کی عشقیہ شاعری

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

[1] روشنائی از سجاد ظہیر ص ۱۳۲۔

غزلیں

نشور واحدی

پرانی بات ہے اور تازہ عنوانوں سے کہنا ہے
کہ گرائیں نہیں گردش میں پیمانوں سے کہنا ہے
ہوا جو ہم سے ٹکرائی وہیں اٹکھیلیاں بھولی
ہمیں پہچان لیں پہلے یہ طوفانوں سے کہنا ہے
محبت زندگی ہر نغمہ ہے اس خاک کی سے ہیں
خلا ہیں دل کہاں اتنا ہی دیوانوں سے کہنا ہے
سراپا انتظار دست گلچیں ہے یہ شاخ گل
چمن میں کیا نہیں یہ تنگ دامانوں سے کہنا ہے
نشور اشعار میں شاید ہمیں پہچان لے کوئی
جو اپنوں سے نہ کہہ پائے وہ بیگانوں سے کہنا ہے

جامی ردولوی

خود اپنا ہی جن کو ہوش نہیں وہ دل میں سمائے جاتے ہیں
ہیں سوز دروں سے ناواقف اور آگ لگائے جاتے ہیں
جذبات میں کوئی جوش نہیں نظروں میں نشہ دل بیگانہ
ہوتی ہے چبھن پھر بھی دل میں آنکھیں جو ملائے جاتے ہیں
ہے شرم بھی جذبہ الفت بھی بڑھ بڑھ کے قدم رک جاتے ہیں
کچھ چھپتے ہیں کچھ چھپتے نہیں کچھ سامنے آئے جاتے ہیں
کیا دید کی عالم ہوتا ہے بچھڑے ہوئے دو جب ملتے ہیں
ہنسنے کی بھی کوشش ہوتی ہے آنسو بھی بہائے جاتے ہیں
جو الفت کی تذلیل کریں جو مہر و وفا کو ٹھکرا دیں
اے ذوق خودی کیوں ان کے لیے ہم دل کو بچھائے جاتے ہیں
ہے شوق بھی ملنے کا ڈر بھی لگتا ہے کہ افشائے راز نہ ہو
نزدیک بھی ہم سے ہوتے ہیں پہلو بھی بچائے جاتے ہیں
آگاہ مآل الفت سے انداز ان کے دیکھے بھالے
اُف دیدۂ دل افسردہ جامی ہم دھوکا کھائے جاتے ہیں

سید حرمت الاکرام

تعجب کیا ہے کہ جو موج نفس بھی ہو گئی بھاری — مہیا کرتا جاتا ہوں وہ اسباب خود آزاری
خداوندا ترے ذوق عطا کو کیا ہے کوئی — ملی ہے ہم سے خفتہ قسمتوں کو دل کی بیداری
ذرا ڈالا گیا دل سرکشی کو احساس سزا لیکن — لرز جاتی ہے تیرے عفو سے میری خطاکاری
نظر بھی کسی کی دل نے اک عالم سا پایا — لپک جاتی ہے اڑتی ہوئی سی ایک چنگاری
اٹھائے زندگی کا بوجھ چلتا جا رہا ہوں میں — نہ احساس گراں باری نہ ارمان سبکباری
ذرا پوچھو کہاں لے جائے گی اب زندگی مجھ کو — تری محفل سے بھی اب ہے دل کو بیزاری

فرشتے رشک سے کیا کیا نہ تکتے ہیں سوئے حسرت
کوئی کرتا ہے پہلی بار جب عزم گنہگاری

———×·×———

تحریک آزادی اور اردو

گوپی ناتھ سنہا

بڑے زور کے ساتھ ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے کے بہت سے فیصلے تقسیم کے بعد قابل عمل نہیں جب ہندوستان تقسیم ہو گیا تو اب اردو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہ دلیل نہ تو ابھی منطق ہے اور نہ تحریک آزادی کے مقاصد اور وعدوں کی پابندی، اس لیے کہ جب تک آپ پہلے یہ مان نہ لیں کہ ہندوستان کی تقسیم کی ذمہ داری اردو زبان پر عاید ہوتی ہے اس وقت تک یہ کہنا کہ بعد تقسیم اردو کا سوال نہیں پیدا ہوتا، اس بھیڑیے کی دلیل کی یاد تازہ کرتا ہے جس نے کردہ اور نا کردہ گناہوں کا الزام لگاکر بے گناہ ہندو کو سپرد کر دیا تھا۔

زبانیں نہ تو ملکوں کو تقسیم کراتی ہیں اور نہ سیاسی رد و بدل کے ساتھ جلا وطن کی جاتی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا دو بھی اردو زبان نے اپنی سیکڑوں سال کی زندگی کے کسی دور میں بھی کوئی ایسا رول ادا کیا ہے جسے وطنی تخریب یا قومی بربادی اور انتشار کی وجہ قرار دی جا سکے۔ برخلاف اس کے اردو نے مختلف رنگوں کی آمیزش سے اپنی دلکشی، جمال و جمعیت اور رزم و بزم کا ایسا مرقع پیش کیا ہے جس کی دلکشی و رعنائی آج بھی خراج تحسین حاصل کرتی ہے۔

جن صاحبوں نے اردو کی تاریخ کا مطالعہ سرسری طور پر بھی کیا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو ادب کا عمل قومی زندگی میں شروع سے ہی صحت بخش رہا ہے۔ دعویٰ کرنا کوئی مناسب طریقہ استدلال نہیں۔ تاہم میں ان بزرگ کا انتہائی ممنون احسان ہوں گا جو تحریک آزادی کے دور میں ہندوستان کی کسی بھی زبان کی خدمات اردو کے مقابلے میں پیش کر سکیں کیا تحریک آزادی کے وہ شعلہ بیان مقرر اور جذبات برانگیختہ کرنے والے شاعر آپ بھول گئے جو ملک کے سیکڑوں چھوٹے قاریوں سے افسردہ دلوں میں گرمی اور رسمت از اردو میں حرکت اور توانائی کی لہریں دوڑاتے پھرتے تھے۔ کیا ان خادموں کو آپ کے حافظوں نے خیرباد کہہ دیا ہے جن کے قلم کی چنگاریاں سامراج کے خرمن پر آگ برساتی تھیں اور جن کے ایڈیٹروں کو حب وطن پھیلانے کے جرم میں حکومت وقت نے ضمانتوں کی بھرمار سے جیل کی دیواروں کے پیچھے بند کر کے ملکی انقلاب کی آواز کا گلا گھونٹنا چاہا تھا۔ بلاشبہ اردو جنگ آزادی کی صف اول میں کھڑی ہوئی تھی۔

(اقتباس خطبہ استقبالیہ اردو کنونشن میرٹھ)

———×·×———

جگن ناتھ آزاد

یادوں کے چراغ

میں آٹھ برس کا تھا کہ ضلع کے صدر مقام میانوالی میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ معلوم نہیں جلسہ کس سلسلے میں تھا۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ ولسن صاحب نامی ایک انگریز اس جلسے کے صدر تھے۔ میں نے اس جلسے میں چودھری خوشی محمد ناظر کی نظم "جوگی" اوّل سے آخر تک زبانی سنائی اور اس نظم خوانی کا چرچا سارے ضلع میں دور دور تک ہوتا رہا۔ انگریز صدر کی تھپکی مجھے ابھی تک یاد ہے۔

اس سے ایک برس بعد میری زندگی ایک نئے اور عجیب و غریب ادبی تجربے سے دوچار ہوئی۔ والد نے مجھ سے کہا کہ چلو تمہیں بھیرے لے چلیں۔ ایک مشاعرے میں۔ مشاعرہ یہ میرے لیے ایک نیا لفظ تھا۔ میں نے اس کے معنی پوچھے والد نے اگرچہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا لیکن اس وضاحت کے باوجود مشاعرے کا پورا مفہوم میری سمجھ میں نہ آسکا۔

خیر مقررہ تاریخ کو میں والد کے ہمراہ روانہ ہوا۔ راستے میں غالباً "لُنڈیان" نامی اسٹیشن پر ریل تبدیل کرنا تھی۔ وہاں بھیرے کی ریل کے انتظار میں ہمیں کافی دیر رکنا پڑا۔ اس لیے کہ ایک ٹرین لاہور سے آتی تھی اور اس کے بعد بھیرے کی ٹرین روانہ ہوتی تھی۔ لاہور کی ٹرین آئی تو ایک صاحب اس میں سے اترے اور بڑے تپاک سے والد کے ساتھ بغلگیر ہوئے۔ یہ صاحب سیکنڈ کلاس میں سے اترے تھے۔ ہم وگ انٹر میں سفر کر رہے تھے۔ اس وقت تک میرا خیال یہ تھا کہ سیکنڈ کلاس میں صرف اسکولوں کے انسپکٹر سفر کرتے ہیں۔ اور اسکولوں کے انسپکٹر سے بڑے عہدے کا تو میں تصور ہی نہیں کر سکتا تھا لیکن تھوڑی دیر میں پتہ چلا کہ یہ صاحب اسکولوں کے انسپکٹر نہیں ہیں بلکہ شاعر ہیں۔ اور ان کا نام ہے حفیظ جالندھری۔ یہ نام بھی میرے لیے نیا تھا۔ بلکہ میں تو اس وقت تک کسی بھی شاعر کے نام سے آشنا نہیں تھا۔ ہاں اپنی درسی کتابوں میں جن شعرا کی نظمیں پڑھ چکا تھا ان کے ناموں سے واقف تھا۔ اور ان کے علاوہ بعض ان شعرا کے نام سے جن کی نظمیں کبھی کبھار "نونہال" اور "گلدستہ" میں دیکھنے کا اتفاق ہو چکا تھا۔ ان درسی کتب میں ایک تو میرے والد کی نظمیں شامل تھیں باقی شعرا کے نام جن سے میں ان کی نظموں کی بدولت واقف ہوا تھا یہ تھے۔ مولانا حالی، مولانا محمد حسین آزاد، مولانا اسمٰعیل میرٹھی، اقبال، سورج نارائن مہر، برج نرائن چکبست، درگا سہائے سرور، نظیر اکبر آبادی۔ اور میں سمجھتا تھا کہ ان اشخاص کے علاوہ دنیا میں اور کوئی شاعر ہے ہی نہیں۔ چنانچہ جب ریل چلنے لگی اور ہم وگ جا کر اپنے ڈبے میں سوار ہوئے تو پہلا سوال میں نے والد سے یہ کیا کہ ان کی نظمیں تو "مرقع ادب" میں نہیں ہیں پھر یہ شاعر کیسے ہیں۔ والد نے کہا ابھی ان کی نظمیں درسی کتب میں شامل نہیں ہوئیں۔ کچھ مدت کے بعد ہو جائیں گی۔

بھیرے پہنچے تو میرے لیے مشاعرے کے وقت کا انتظار کرنا مشکل ہو گیا۔ میں اس خیال میں تھا کہ وہاں جو نظمیں پڑھی جائیں گی وہ کچھ اس طرح کی ہوں گی۔ جیسی مرقع ادب میں شامل ہیں۔

جس وقت بڑھا ریچھ ہوا ریچھ کا بچہ

گھنگھور گھٹا تلی کھڑی تھی　　اور بوند ابھی نہیں پڑی تھی

سہانا سہانا سحر کا سماں

ضعیفہ پھٹے کپڑے پہنے کھڑی ہے　　ضعیفی سے اس کی کمر جھک گئی ہے

مسافر کہیں ایک رستے میں تھا　　وہ چوروں کے ہاتھوں میں جا پھنسا

لیے اس بچارے کے کپڑے اتار　　کیا گھائل اور ادھ موا مار

لیکن وہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ والد نے جو نظم پڑھی وہ تو بالکل ہی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ حفیظ صاحب کی نظم "مقابلہ" آسان تھی لیکن بحیثیت مجموعی مجھے پتہ نہ چل سکا کہ نظم کس عنوان یا موضوع پر ہے۔ ایک ہی مصرع میری سمجھ میں آرہا تھا "میرا سلام لے جا" ان دو کے علاوہ باقی تمام شعرا تقریباً مقامی تھے اور ان کا کلام اس میری سمجھ سے باہر تھا۔

اس مشاعرے کا "اہم ترین واقعہ" یہ تھا کہ (غالباً منتظمین میں سے) ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا تمہیں بھی کوئی نظم یاد ہے؟ میں نے کہا جی ہاں کئی نظمیں یاد ہیں۔ انھوں نے عنوان پوچھے میں نے کہا "جوگی" "ہندوستان" "پہلے کام پیچھے آرام" اور اسی طرح سے دو چار نام اور میں نے گن سنائے۔ چنانچہ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اچھا تم "ہندو مسلمان سناؤ"۔ چنانچہ میں نے والد کی یہ نظم اوّل سے آخر تک زبانی سنا دی اور ایک تھیلی انعام میں پائی۔ یہ انعام پا کر میں پھولا نہ سمایا کیونکہ اس سے قبل اسکول میں جو انعام میں نے حاصل کیے تھے وہ اس کے مقابلے میں معمولی اور کم پایہ کے تھے اور یہ انعام ایسا تھا جسے دیکھ کر میرے سب ہم جماعت مرعوب ہو سکتے تھے۔

مشاعرے کے بعد ہم جائے قیام پر واپس پہنچے تو والد نے پوچھا کہو مشاعرہ پسند آیا۔ میں نے کہا میری سمجھ میں تو کوئی نظم آئی نہیں کہنے لگے حفیظ صاحب کی نظمیں بھی؟ میں نے کہا وہ بھی سمجھ میں نہیں آئیں چنانچہ دوسرے دن جب والد حفیظ صاحب سے ملنے گئے تو انھوں نے ان سے کہا کہ جگن کا تو مشاعرے میں آنا بیکار ہی رہا یہ کہتا ہے کوئی نظم میری سمجھ میں آئی ہی نہیں۔ یہ سنتے ہی حفیظ صاحب نے اپنی ایک کتاب نکالی "ہندوستان ہمارا" اور اس میں سے ایک نظم اپنے خاص انداز میں جو سنائی تو مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے فضا میں چاروں طرف جادو کا عمل ہو گیا ہو نظم

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

مراسلہ

جگر کی غزلیہ شاعری

ہماری زبان کے ۲۲، اپریل کی اشاعت میں اقبال کرشن کا "جگر کی غزلیہ شاعری" پر ایک مراسلہ چھپا ہے، اس میں انھوں نے مذکورہ عنوان سے شائع شدہ مضمون پر اعتراضات کیے ہیں۔ مگر افسوس کہ بجھ بہت درشت اختیار کیا ہے۔ اگر کچھ کہنا ہی تھا تو سلیقہ سے بھی کہہ سکتے تھے۔ خواہ مخواہ بھڑک اٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تنقید جذبات میں بہہ جانے کا تو نام نہیں!

ماننے کی بات ہے کہ قواعد، لغت، عروض یہ سب آسمانی کتابیں نہیں ہیں۔ لیکن یہ تو کرشن صاحب بھی مانتے ہیں کہ یہ مشاہدات کے نتائج ہیں۔ اور ماضی کے عظیم فنکاروں نے اپنے مشاہدات سے بڑی جان کاہی کے بعد ان نتائج کو برآمد کیا تھا یہ ایک دن کی پیداوار نہیں تھی بلکہ صدیوں کی عرق ریزی کا پھل تھا۔ جگر صاحب کے ایک دار میں یہ سارے کے سارے تو مٹی میں مل جانے سے رہے۔ ان مشاہدات کو آپ یا ہم یوں بیٹھے بیٹھے بیکار نہیں قرار دے سکتے۔ ان کو نئے مشاہدات ہی بے کار قرار دے سکتے ہیں۔ اور اس کے لیے کم از کم ایک صدی کے تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دور مشاہدات کا دور ہے۔ آپ اور ہم نئے تجربے کر رہے ہیں۔ ابھی یہ دیکھنا ہے کہ آپ لوگ یا ہم لوگ ان نئے تجربات سے کہاں تک نئے نتائج برآمد کر سکیں گے لیکن آپ ابھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ جس راہ پر گامزن ہیں وہ سو فیصدی ٹھیک ہے۔ کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔ وقت آنے پر یہ تو خود زمانہ اور مشاہدہ بتا دے گا۔

مراسلہ نگار نے اشرف صاحب کو لکھا ہے کہ وہ نیاز فتح پوری کی حمایت کر رہے ہیں۔ اگر کسی کی حمایت کرنا بری بات ہے تو پھر خود مراسلہ نویس نے جگر کی حمایت کیوں شروع کر دی؟ میں نہیں سمجھتا کہ کسی کی حمایت کرنا بری بات ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی شخص کی حمایت سے مراد اس کے نظریے کی حمایت ہوتی ہے خود اس کی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جگر ایک باصلاحیت انسان تھے ہو سکتا ہے انھوں نے روایت یا لوازمات شاعری سے انحراف کیا ہو لیکن ان سے بغاوت کبھی نہیں کی تھی اور اس کے باوجود انھوں نے اردو ادب میں عظیم اضافہ کیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے جو شہ پارے بھی اردو ادب کو عطا کیے انھیں بغاوت کر کے بھی عطا کر سکتے تھے اور انحراف کے بغیر بھی۔ کیونکہ وہ ایک باصلاحیت انسان تھے اور صلاحیت رکھنے والوں کے لیے کوئی بھی چیز ناممکن یا مشکل نہیں ہوتی۔ آزاد شاعری کو نہ جانے کتنوں نے اپنایا اور اس میں زور آزمائی کی لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ بہت کم شاعری کامیاب نکلے ہیں جتنے شاعروں نے آزاد شاعری میں قدم رکھا وہ سب کے سب کامیاب نہیں ہو گئے۔ اسی طرح پابند اور روایتی شاعری کے فنکاروں میں تمام کے تمام شاعروں کا کلام عظیم نہیں ہو گیا۔ یہ اس لیے کہ اچھی شاعری کے لیے پابندی، روایت یا آزادی اور ترقی پسندی کوئی چیز نہیں ہے۔ اصل چیز شاعر کی صلاحیت اور اس کی شاعرانہ فطرت ہے۔ اس کی موزونی طبع اور اس کا کمال فنکاری ہے۔

اقبال کرشن صاحب نے کہا ہے: "جگر کی تنقیص کرنے والے دراصل آج سے سو سال پہلے کی اردو قواعد اور لغت کو اپنی مشعل راہ بنائے ہوئے ہیں۔" صدیوں کی محنت اور جاں فشانی سے حاصل کردہ سرمایوں پر یہ اچھی تنقید نہیں ہے۔

(عابد صفی)

صفحہ ۶ سے آگے

کا عنوان تھا "سروپ لکھا کی چلمن سے ملاقات"۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں اپنی آنکھوں سے سروپ نکھا کی ناک کے کٹنے کا نظارہ دیکھ رہا ہوں۔ اور وہ روتی پیٹتی ہوئی اپنے بھائی کے دربار میں پہنچی ہو اور یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہو۔ میں نے والد سے اصرار کیا کہ یہ کتاب میں ضرور لوں گا۔ چنانچہ حفیظ صاحب نے اسی وقت اس کتاب کی ایک جلد میرے حوالے کی اور میں اسے اپنی عزیز ترین متاع کی طرح اپنے ساتھ لے آیا۔

یہ کتاب میں نے نہ جانے کتنی بار پڑھی۔ اور کے برس تک پڑھتا رہا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ آٹھویں جماعت میں یہ کتاب مجھے اول سے آخر تک زبانی یاد تھی۔ اس کی ہر نظم، ہر شعر اور ہر مصرع مجھے ازبر تھا۔ چنانچہ آٹھویں کے امتحان میں جب تاریخ کا پرچہ تھا تو میں نے تمام سوالات کے جواب نظم میں دئے اور وہ جواب اسی "ہندوستان ہمارا" کی منظومات پر مشتمل تھے۔

امتحانات کی تاریخ میں غالباً یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔ سارے راولپنڈی ڈویژن میں اس کا چرچا ہوا۔ طالب علم کا نام تو کسی کو معلوم نہ تھا۔ رول نمبر تھے۔ لیکن لاہور کے اخبارات میں جب یہ خبر چھپی کہ ایک طالب علم نے تاریخ کے پرچے میں تمام سوالات کے جوابات حفیظ جالندھری کے مجموعۂ نظم "ہندوستان ہمارا" میں سے دئے ہیں تو میں نے یہ تمام اخبارات سنبھال کر رکھ لیے کہ اگر ہمارا نام نہیں چھپا تو کیا ہوا ذکر تو ہمارا ہی ہے۔

کی اس روایت کے دشمن اور مخالف تھے، جس نے اردو شاعری کو محض ہجر و وصال کے بیانات (معاملہ بندی) اور گل و بلبل کی رسمی و فرسودہ داستانوں تک محدود و مقید کر دیا تھا۔ انھوں نے اس قسم کی مریض و مبتذل و روایتی شاعری پر ضرب لگائی اور اس کے رُخ کو بدل دیا۔ غالب نے عشقیہ شاعری کو ان قیود سے آزاد کیا اور اس کو عشق و محبت کے صالح و صحت مند جذبات و کیفیات سے آشنا کیا۔ انھوں نے واردات و معاملات عشق و محبت کو قلمبند کرنے سے زیادہ کیفیات عشق و محبت پر بڑے دل آویز اور اثر انگیز تبصرے کیے ہیں، عشق و محبت کی نوعیت کو واضح کیا ہے، عاشق و معشوق کے مراتب کو ملحوظ رکھا ہے، محبت کی نفسیات کا تجزیہ کیا ہے دقیق سے دقیق جذبۂ محبت کی نفسی تحلیل بھی کی ہے، اسی باعث ان کی عشقیہ شاعری جرأت، انشا، رنگین، مومن کی شاعری سے مختلف ہے، لیکن حسرت کے یہاں نہ یہ روایت شکنی ہے اور نہ یہ گہرائی و گیرائی، وہ اپنی پرواز میں زیادہ سے زیادہ مومن کی سرحدوں میں چلے جاتے ہیں اور اس پر وہ قانع اور خوش ہیں ؎

حسرت مرے کلام میں مومن کا رنگ ہے — عاشق ہوں میں بھی ساتوں دوسرا نہیں
مرحبا حسرت کہی ہے تو نے کیسی غزل — رنگ مومن خوشنما کس درجہ پیدا کیے ہے
حسرت یہ وہ غزل ہے جسے سن کے سب کہیں — مومن سے اپنے رنگ کو تو نے ملا دیا
طرز مومن میں مرحبا حسرت — تیری رنگیں نگاریاں نہ گئیں
کہاں ہیں اُن کی سی رنگینیاں ترکیب مومن کی — یہ طرز خوش بیانی حسرت رنگیں بیاں کب ہے

وہ مومن، نسیم، تسلیم کے پرانے روایت پرست سلسلے کے شاعر تھے، اسی لیے وہ نسیم کی رنگیں بیانی پر بھی فخر کرتے ہیں ؎

حسرت تری شگفتہ کلامی پہ آفریں — یاد آ گئیں نسیم کی رنگیں بیانیاں
حسرت بہار دہلی میں بھی آ رہی زبان — اشعار میں نسیم کا رنگ بیاں رہے

اسی طرح کئی دوسری جگہ اُن اردو شاعروں کی تقلید و تتبع پر بھی فخر کرتے یا ان کا ذکر کرتے ہیں جن سے انھیں یا اُن کی شاعری کو نسبت ہے یہ بات ان کے اندرونی ارتباط کی غماز ہے کہ انھیں کس قسم کی شاعری مرغوب یا عزیز تھی ؎

طرز حسرت، یہ شوخی انشا — رنگ جرأت ہے سب بیان میں ہے
قائم ہے ترے دم سے طرز سخن قائم — پھر دور نہ کہاں حسرت یہ رنگ غزل گوئی
شہرت تیری ہوئی مصحفی و میر کے بعد — تازہ حسرت اب حسن بیاں کی رونق

اسی لیے حسرت اپنی پرواز میں مومن کے سلسلے سے مومن تک تو پہنچ گئے لیکن غالب کی برادری سے دور رہے، یہ اُن کی افتاد طبیعت اور ذہنی ساخت و سطح کے لحاظ سے ٹھیک بھی تھا کیونکہ وہ فکری شاعری کے لیے پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور نہ وہ فلسفیانہ ذہن اور نہ وہ احساس و جذبہ لے کر آئے تھے، حالانکہ زمانے نے اُن کو بہت مواقع دیے لیکن اُن کا ذہن اُن سانچوں میں نہ ڈھل سکا اور درک و بصیرت کے اُن سرچشموں سے نہ فائدہ حاصل کر سکا اور نہ ان کو پا سکا جن کو

فانی، اصغر اور فراق و یگانہ نے ہضم کر لیا۔ اسی لیے حسرت اپنے ان معاصر شعرا سے اپنے سفر میں کہیں پیچھے رہ گئے چنانچہ آج نقادانِ ادب اس ناقابلِ تردید حقیقت کا اظہار کرتے ہیں، خلیل الرحمٰن اعظمی نے ان کی شاعری کا تفصیلی جائزہ لے کر اُن کے شاعرانہ مرتبے کا بڑا صحیح تعین کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"۱۔ حسرت کی شاعری کو میں نے جب بھی پڑھا ہے تو کسی اونچی سطح پر پہنچنے کے بجائے ایک نارمل سی کیفیت محسوس کی ہے، اُن کی بہترین شاعری بھی صرف وجدان کی رہین منت ہے اور ظاہر ہے کہ صرف وجدان کے سہارے آج تک کبھی بڑی شاعری نہیں ہوئی ہے، بڑی شاعری وجدان اور فکر دونوں کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ حسرت کی آپ بیتی بھی ان کی پوری زندگی کا احاطہ نہیں کرتی سولہ سے پچیس سال کی عمر میں اُن کو عشق کا جو تجربہ حاصل ہوا اسی تجربے کی بنا پر وہ عمر بھر شاعری کرتے ہیں اور انھیں جذبات و کیفیات کو نظم کرتے ہیں، جو عنفوان شباب میں پیش آئی تھیں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اسی کا مقابلہ ہم اُس شاعری سے کس طرح کر سکتے ہیں جس میں نہ صرف شاعر کی زندگی اور اس کے اردگرد کا ماحول سمٹ آتا ہے بلکہ اس کی گرفت میں کائنات اور زماں کی سرحدیں آ گئی ہیں۔

۳۔ حسرت کی شاعری کی دوسری خصوصیت اس کا سادہ و عام فہم ہونا اور بہت جلد متاثر کرنا ہے۔ اشعر کے متعلق ان کا یہ نقطۂ نظر ہے کہ شعر دراصل ہیں وہی حسرت سنتے ہی دل میں جو اتر جائیں ایک اچھے غزل گو کی حیثیت سے ان کی یہ خصوصیت بڑی قابل قدر ہے لیکن ان کی یہی خصوصیت ان کو بڑا بننے سے روکتی بھی ہے، سنتے ہی دل میں اُتر جانے والے اشعار پسندیدہ ہو سکتے ہیں لیکن ان میں کوئی بڑی بات نہیں ہوتی، بڑے شاعر کا شعر ذرا مشکل سے گلے کے نیچے اترتا ہے۔"

اس طویل اقتباس کی ضرورت اس لیے پڑی کہ اچھے شاعر اور بڑے شاعر کا فرق واضح ہو جائے اور حسرت کے شاعرانہ مرتبے کے تعین کے بارے میں صحیح اور بے لاگ رائے قائم کرنے میں مدد ملے۔ اسٹر ورما صاحب نے گوئٹے اور کولرج کا قول دہراتے ہوئے لکھا ہے کہ "شاعری میں عظمت افکار کی گہرائی سے آتی ہے۔"

لیکن کیا حسرت کے افکار میں عظمت ہے؟ کیا ان کی شاعری فکری شاعری ہے؟ کیا اس کا مزاج و آہنگ فلسفیانہ یا حکیمانہ ہے؟ کیا اس میں زندگی کی اعلیٰ قدریں ہیں؟ کیا اس میں حیات و کائنات کے مسائل و مراحل اور نشیب و فراز ہیں؟ کیا اس میں پیچیدہ زندگی کی الجھنیں اور ان کا حل ملتا ہے؟ کیا وہ اپنی پرواز میں کسی بڑے شاعر کے قریب پہنچ سکتے ہیں؟ ان سوالات کا جواب یقیناً نفی میں ہے، حسرت کی شاعری محض تفریح و دلچسپی کے لیے ہے اور سطحی اور سستی جذباتیت و لذتیت سے لبریز ہے۔

——— ختم ———

پروگرام انجمن ترقی اردو بھوپال

بنیادی تنظیم اور فرائض:-

(۱) انجمن ترقی اردو کی ممبر سازی کا سال یکم جنوری سے شروع ہو کر ۳۱ دسمبر تک ہوتا ہے لہٰذا تمام سال ممبر سازی کی مہم کو جاری رکھنا تاکہ ممبران کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکے اور جدید مرکزی دستور کے مطابق ہر ۲۰ ابتدائی ممبران پر ایک کونسلر مقامی انجمن میں اور ہر دس کونسلر پر ایک نمائندہ ریاستی انجمن میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

(۲) دستور کے مطابق (دفعہ ۵ ریاستی انجمن) انجمن ترقی اردو کا انتخاب تین سال کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن جدید دستور کی بنا پر جو انتخاب اکتوبر ۱۹۹۶ء میں ہونے والا تھا وہ ۲۷ جون ۱۹۹۵ء کو عمل میں آگیا۔ لہٰذا دستور کے مطابق مقامی اور ریاستی انجمن کا انتخاب آخری ہفتہ جون ۱۹۹۸ء عمل میں آئے گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ممبر سازی کی مہم کو جاری نہ رکھا جائے اور محض انتخاب کی غرض سے ممبر سازی کی جائے۔

(۳) ممبران کونسل انجمن ترقی اردو بھوپال کے فرائض عام اس سے کہ وہ بھوپال (شاخ) کی مجلس عاملہ کے رکن ہوں یا ریاستی انجمن کے انھیں مندرجہ ذیل بنیادی تنظیم میں عملی حصہ لینا ضروری ہے

(الف) بھوپال میونسپل حدود کے اندر واقع ہر وارڈ میں انجمن ترقی اردو کی باقاعدہ محلہ، سڑک اور گلی وار ممبر سازی۔ ہر میونسپل وارڈ میں جہاں "بزم ادب" یا شبینہ مدرسہ قائم کیا گیا ہو اس کا وارڈ ایک نقشہ تیار کرنا تاکہ انجمن کے بڑھتے ہوئے کاموں کا جائزہ لیا جا سکے۔

(ب) ہر وارڈ میں انجمن کے زیرِ انتظام "بزم ادب" اور شبینہ مدرسہ قائم کرنا تاکہ نوجوان فنکاروں کی حوصلہ افزائی ہو سکے اور تخلیقات کا معیار بلند ہو سکے۔ اور اردو لکھنے پڑھنے اور بولنے کا ذوق بڑھ سکے۔

(ج) اگر سر دست ہر وارڈ میں بزم ادب اور شبینہ مدرسہ قائم نہیں کیا جا سکتا تو ملحقہ ۲ یا ۳ وارڈوں کو ملا کر بزم ادب اور شبینہ مدرسہ قائم کیا جائے تاکہ اہل محلہ میں شوق بڑھ سکے اور بزم ادب اور شبینہ مدرسہ قائم کرنے کی خواہش اور جذبہ پیدا ہو سکے۔

(۴) فہرست اردو طلبا و طالبات اسکول اور کالج وغیرہ ہر سال داخلے کے زمانہ میں تیار کرنا جس میں طلبا و طالبات کے نام معہ ولدیت و سکونت اور سرپرستوں کی مالی حالت، درجہ وغیرہ کی تفصیلات ہوں، تیار کرنا اور ان کی تعلیمی انتظام کے سلسلہ میں جو دشواریاں حائل ہوں، ان کو رفع کرنا۔

(۵) انجمن ترقی اردو کے دفتر کو باقاعدگی کے ساتھ ترتیب دیا جائے اور اس میں ایک "شکایتی بکس" رکھا جائے جس میں شہر بھوپال کے میونسپل حدود میں بسنے والے اردو سے متعلق پیش آنے والی مشکلات و دشواریوں کی شکایات ڈال سکتے ہیں تاکہ انجمن کی مجلس عاملہ ان پر غور کر کے ان دشواریوں کو دور کرنے میں اپنی امکانی کوشش کر سکے۔

(۶) ابتدائی ممبران اور اراکین کونسل ہر شروع سال کے پہلے ہفتہ میں اپنی سالانہ فیس ممبری داخل کر دیا کریں تاکہ انجمن کو کسی مالی دشواری کا شکار نہ ہونا پڑے۔

(۷) دفتری اخراجات کو پورا کرنے کے سلسلے میں اراکین مجلس عاملہ ایک روپیہ (عہ/) ماہوار علاوہ فیس ابتدائی ممبری اور رکنیت کونسل کے ادا کریں تاکہ انجمن کا مالیہ متاثر نہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ انجمن کے مالیہ میں اضافہ کرنے کی کوشش اور تدابیر اختیار کی جائیں۔

(۸) ہر رکن مجلس عاملہ اگر تین مسلسل میٹنگز میں بلا کسی سبب معقول شرکت نہیں کرتا تو اس کو مجلس عاملہ کی رکنیت سے خارج کر دیا جائے گا۔ میٹنگ میں عدم شرکت کی اطلاع تحریری آنا چاہیے۔ اگر کوئی امر مانع فوری طور پر لاحق ہو گیا ہو تو اس کی اطلاع تاریخ میٹنگ سے کے بعد سات یوم کے اندر اندر دفتر انجمن کو موصول ہو جانی چاہیے تحریری اطلاع موصول نہ ہونے کی صورت میں کوئی عذر قابل غور نہ ہوگا۔

(۹) ہر تین ماہ بعد کونسل کا جلسہ ہوگا جس میں مجلس عاملہ اپنی سہ ماہی رپورٹ پیش کرتی رہے گی اور ہر سال کے آخری ہفتہ میں سالانہ جلسہ ہوگا جو سال بھر کی کارکردگی کا جائزہ ہوگا۔ اگر کوئی ممبر کونسل انجمن ترقی اردو بھوپال دو مسلسل میٹنگوں میں بغیر کسی معقول وجہ کے شرکت نہ کر سکا اور اس کی اطلاع پہلے سے تحریری نہ دی یا کسی فوری طور پر امر مانع کے باعث اطلاع نہ دے سکے تو اس کو تاریخ میٹنگ کونسل کے بعد سات یوم کے اندر اندر دفتر انجمن کو تحریری اطلاع دینا ہوگی تحریری اطلاع موصول نہ ہونے کی صورت میں اس کو کونسل کی رکنیت سے خارج کر دیا جائے گا۔

سالانہ جلسے کے موقعہ پر ایک ایسا پروگرام مرتب کیا جائے گا جس میں اردو کی ترویج و اشاعت کا بطور خاص خیال کیا جائے گا اور یہ پروگرام ایک سے زیادہ دن تک رکھا جا سکتا ہے۔ تاکہ بھوپال میں بسنے والوں کے علاوہ بھوپالی یا بیرونی اردو دوست حضرات کو مدعو کیا جائے اور ایسے پروگرام انجمن کو مالی فائدہ پہنچانے کا ذریعہ بھی بن سکیں مثلاً اردو ڈرامہ۔ لیکچر۔ مشاعرہ وغیرہ۔

(۱۰) انجمن کے اغراض و مقاصد کے پیش نظر جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو بھوپال مجاز ہوگا کہ وہ انجمن کے کام کو تیز تر کرنے کے لیے باعتبار ضرورت چند کمیٹیاں بھی تشکیل دے سکے تاکہ وارڈ وار اور محلہ محلہ جا کر کونسلر کے کاموں کا جائزہ لے سکیں اور دیگر امور میں بھی خدمات انجام دے سکیں۔

(۱۱) شبینہ مدارس کے سلسلے میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ لاتعداد کتب جو نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کے عہد حکومت میں مدارس کے درس میں شامل تھیں اور ان کے علاوہ خود ان کی اپنی تالیف و تصنیف اور ترجمہ کردہ ہیں، آج احمد آباد پیلس میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ جو اخلاقیات۔ ادبیات۔ باغبانی۔ امور خانہ داری وغیرہ پر مشتمل ہیں ان کو انجمن ترقی اردو بھوپال کو موجودہ فرمانروا علیا حضرت نواب مہر تاج ساجدہ سلطان صاحبہ مرحمت فرما دیں تاکہ نہ صرف بھوپال بلکہ بھوپال کے اضلاع میں بھی انجمن کے زیر اہتمام شبینہ مدارس میں بھی ان کتب سے استفادہ کیا جا سکے امید ہے کہ معاملہ بہت جلد طے ہو جائے گا۔

(۱۲) بھوپال میں پبلشنگ ہاؤس اور مطبع قائم کرنے کے سلسلہ میں ان تمام تدابیر کو اختیار کرنا تاکہ ہم اپنے اس مقصد میں جلد سے جلد کامیاب ہو سکیں۔

(۱۳) بھوپال جو تقریباً دو سو برس سے اردو کا اہم مرکز رہا ہے ایک "اردو ہال" کا قیام اور کتب خانہ قائم کرنا اور اردو کتب و رسائل اور اخبارات جو بھوپال میں طبع ہوئے ہیں اور اہل بھوپال کی تخلیقات اور اخبارات جو دیگر مطابع اور ہند و پاک کے مختلف شہروں میں مقیم بھوپالی فنکاروں کے طبع ہوئے ہیں ان کو انفرادی لوگوں سے حاصل کر کے کتب خانہ میں محفوظ کرنا اور قلمی نسخے اور مخطوطات کو حاصل کرنا اور موجودہ سائنٹیفک طریقہ پر محفوظ کرنا۔ تاکہ اردو کے طالب علم اور محققین ان سے استفادہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ ایسی نادر اور آؤٹ آف پرنٹ کتب خواہ کسی زبان کی ہوں ان کا فراہم کرنا اور انھیں محفوظ کرنا اور ضرورت ہو تو دوبارہ شائع کرنا وغیرہ۔

(۱۴) اگر کوئی کونسلر یا رکن مجلس عاملہ انجمن کے بنیادی کاموں میں ۳ ماہ تک حصہ نہیں لیتا اور عدم دلچسپی کا اظہار کرتا ہے یعنی خود وارڈ وار ممبر سازی۔ بزم ادب کی تشکیل اور شبینہ مدرسہ کے قیام یا دیگر امور میں تعاون کرنے سے قاصر ہے یا ابتدائی ممبران کی پچ اکثریت اس سے شاکی ہے تو ایسے کونسلر کو ایک ماہ کا نوٹس انتباہ دیا جائے گا اور اگر اس پر بھی وہ باعمل نہ ہوا اور انجمن کے دستور پر کاربند رہا تو مجلس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اس کو انجمن کی کونسلری سے خارج کر دے خواہ ایسا کونسلر انجمن ترقی اردو بھوپال یا ریاستی انجمن ترقی اردو کا اعلیٰ ترین عہدیدار ہی کیوں نہ ہو۔ یا انجمن کا مرکزی نمائندہ۔ اور خارج کر دیئے جانے کے بعد ایسا کونسلر کسی بھی عہدہ پر برقرار نہیں رہ سکے گا۔

(۱۵) انجمن کا مالیہ کسی بینک میں رہے گا جو وقت ضرورت خازن اور جنرل سکریٹری کے مشترکہ دستخطوں سے برآمد کیا جا سکے گا انجمن کے دفتر کی تشکیل اور تنظیم جدید کے لیے جنرل سکریٹری کو ایک معقول رقم دی جائے تاکہ وہ اپنے دفتر کی تنظیم کر سکے۔ اور جنرل سکریٹری کی تحویل میں مبلغ ۲۵/- روپے ہر وقت رہنا چاہئیں تاکہ کسی بھی فوری ضرورت کے لیے خرچ کیے جا سکیں۔

(۱۶) اس پروگرام کو دستوری اور عملی شکل دینے کے لیے سات اراکین مجلس عاملہ کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے تاکہ وہ جلد از جلد اس کو آئینی جامہ پہنا سکیں۔

(ایم۔ عرفان)
(صدر انجمن ترقی اردو بھوپال)

جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان کا خط

اسپیشل سکریٹری حکومت راجستھان کے نام

جناب والا!

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ عزت مآب جناب چیف منسٹر صاحب راجستھان نے ۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۵ء کو کل ہند اردو کانفرنس کا جے پور میں افتتاح کرتے وقت اردو کے متعلق شکایات دور کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی مقرر کرنے کا اعلان فرمایا تھا۔ وہ کمیٹی دسمبر ۱۹۶۵ء میں بنائی جا چکی ہے۔ مگر اردو کے مسائل ابھی جوں کے توں ہیں۔ بلکہ ان میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور جیسا کہ خود چیف منسٹر صاحب نے بھی فرمایا تھا، ماتحتان گورنمنٹ کے حکم کی تعمیل نہ کرکے دیدہ دانستہ مخالفت کر رہے ہیں جس کے باعث اہل اردو بہت پریشان ہیں جیسا مثلاً۔

(۱) چورو (ضلع خود) کے پرائمری اسکول نمبر (۲) تا (۵) و (۱۱) میں گورنمنٹ کی مقررہ کردہ تعداد طلبا کے اردو جو تے ہوئے بھی اردو کے ذریعہ تعلیم کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا جب کہ پچھلے سال سے محکمہ متعلقہ کو توجہ دلائی جا رہی تھی۔ اس لیے اب یکم جولائی سے جب اسکول کھل جانے پر طلبا اور ان کے سرپرست تعلیم کی طرف سے پریشان اور مایوس ہو رہے ہیں

(۲) یہی صورت وہاں (چورو) بلکہ ہائر سکنڈری اسکول کی ہے۔ چورو میں آئے ہوئے دو اصل تار ذریعہ ہذا ارسال ہیں۔

(۳) قصبہ نوا ضلع جھنجھنوں کے ہائر سکنڈری اسکول کے درجہ نہم میں بطور اختیاری مضمون مطابق قواعد سہ لسانی فارمولا منظور کردہ اسپیشل بورڈ راجستھان کئی سال سے اردو جاری کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ طلبا کی تعداد بھی پوری ہے۔ اور اردو کا مدرس بھی موجود ہے۔ مگر اردو کی تعلیم کو برابر نظر انداز کیا جا رہا ہے

(۴) یہی حال بساؤ ضلع جھنجھنوں ہائر سکنڈری اسکول کا ہے

(۵) مڈل اسکول موضع جایا ماخ جھنجھنوں میں تعداد طلبا پوری سے ڈیوڑھی دوگنی ہونے کے باوجود درجہ ششم میں اردو کو جاری نہیں کیا گیا حالانکہ اب توجہ دلانے پر جاری کیا جا رہا ہے۔

(۶) یہی حال مڈل اسکول کا دوسر ضلع جھنجھنوں کا ہے۔

(۷) اسی طرح اس ضلع کے متعدد پرائمری اسکولوں میں جہاں مقررہ تعداد طلبہ بلکہ اس سے زیادہ تک موجود ہے اور طلبہ و سرپرست اپنی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم کے خواہشمند ہیں وہاں بھی ان کی درخواستوں پر کوئی توجہ نہیں کی جا رہی ہے۔ اس طرح اردو مادری زبان والے طلبہ کو بہت پیچھے ڈالا جا رہا ہے اور ڈالا جا رہا ہے۔ اور ان کو ان کے قانونی جائز حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ ماتحتان گورنمنٹ راجستھان کے احکام کی منشا کی تعمیل نہیں کرتے اور اوپر کے حکام کوئی توجہ نہیں دیتے بلکہ ماتحتان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اس طرح کہ ان کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیتے اور ذرا پروا نہیں کرتے کہ گورنمنٹ راجستھان کے حکم کی وہ خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

(۸) ٹونک کے انسپکٹر صاحب آف اسکولس نے ٹونک کی انجمن کے وفد کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا۔ اور کہا کہ تم اردو والے پاکستان بنانا چاہتے ہو جو میں نہیں بننے دوں گا، گویا اردو پڑھانا ان کے نزدیک بغاوت و غداری ہے، یہ ذہنیت حکومت راجستھان کی توجہ کی شدت سے محتاج ہے۔

(۹) عزت مآب جناب چیف منسٹر صاحب راجستھان نے ۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۵ء کو بھی کل ہند اردو کانفرنس جے پور کے اجلاس میں اعلان کیا تھا کہ مبلغ دس ہزار روپیہ سالانہ گورنمنٹ راجستھان اکیڈمی راجستھان اردو بورڈ کے ذریعہ راجستھان کے اردو ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کی چھپائی پر صرف کیا کرے گی۔ مگر گذشتہ سال (۱۹۶۵-۶۶ء) میں بھی اکیڈمی نے ایک پیسہ خرچ نہیں کیا اور یقیناً وہ رقم لیپس کر دی اور اس سال بھی اب تک کچھ نہیں کیا۔ یقیناً جب تک گورنمنٹ خاص توجہ نہ دے گی اکیڈمی سے کوئی توقع نہیں کہ وہ چیف منسٹر صاحب کے اعلان کا عملی ثبوت دے۔ اکیڈمی کو برابر یاد دہانیاں کی جاتی ہیں مگر اس کا جواب تک نہیں دیا جاتا۔ اسی سے اس کی نیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ ان کو کل معاملات تصور نہ فرمایا جائے۔ دیگر شکایات کی تفصیل انتقالات کے خوف سے چھوڑی جا رہی ہے۔ مثلاً پرائمری درجہ کے اردو طلبا کو امتحان کے پرچے ہندی زبان اور ہندی رسم خط میں دیا جانا یا سوالات ہندی زبان اور ہندی رسم خط میں بورڈ پر لکھ کر طلبہ سے کہہ دیا جانا کہ اس کی نقل کر لو اور جواب دو یا جو مضامین کا درجہ پنجم تک مادری زبان کے ذریعہ جاری نہ کیا جانا اور آں حالیکہ طلبہ مقررہ تعداد میں موجود ہوں۔ یا حسب اعلان عالی جناب چیف منسٹر صاحب راجستھان قوانین کی تعداد اور اعلانات وغیرہ کا اردو میں شائع نہ کیا جانا وغیرہ۔

ایسی بہت سی شکایتیں بدستور باقی ہیں اور برابر بڑھتی جا رہی ہیں۔ اس لیے التماس ہے کہ

(۱) ان شکایتوں کو بہت جلد دور فرمایا جائے۔ خاص کر تعلیمی معاملات سے متعلق ماتحتان کی نافرمانیوں کو فوراً روکا جا کر اردو والوں کی داد رسی فرمائی جائے۔ اور گورنمنٹ راجستھان کے حکم کا وقار قائم رہنا چاہیے جس کے لیے انجمن نیز طلبہ اور ان کے سرپرست آپ کے شکر گزار رہیں گے۔

(۲) گورنمنٹ نے اردو سے متعلق جو کمیٹی دسمبر ۱۹۶۵ء میں بنائی ہے جس کا ممبر اور کنوینر ... آپ ممبر سکریٹری ہیں اس کی میٹنگ جلد سے جلد ہونی چاہیے۔ کیونکہ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ اس کی سال میں دو بار میٹنگ ہونی ہے مگر چھ ماہ گذر جانے کے باوجود اب

(باقی صفحہ ۲ پر)

تبصرے

شہریار

سیلِ اشک

مجموعہ کلام اشک امرتسری
ناشر:۔ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کلکتہ
قیمت:۔ ایک روپیہ

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کلکتہ کے ادبی شعبے نے اپنی دوسری علمی اور ادبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اردو کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے۔ اس سلسلہ کے تحت اردو کتابوں کے ساتھ ہندوستان کی دوسری جدید زبانوں، خاص طور سے بنگالی، کے اہم شاہکاروں کا ترجمہ بھی شایع کیا جائے گا۔ "سیلِ اشک"، اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ یہ اشک امرتسری مرحوم کے کلام کا انتخاب ہے۔ جس کو علقمہ شبلی اور اعجاز افضل نے ترتیب دیا ہے۔

عام انسان کے دکھ درد، خواہشیں، آرزوئیں، محسوسات اور جذبات اشک کی شاعری کے موضوعات ہیں۔ جن کے اظہار کے لیے انھوں نے نظم کے ساتھ ساتھ صنفِ غزل کو بھی برتا ہے۔

لیکن غزل ہو یا نظم ان کے اشعار میں ایک سلیقہ اور رکھ رکھاؤ ملتا ہے۔ ان کے کلام پر نظیر کا اثر نمایاں ہے۔ اس کی نشاندہی پرویز شاہدی صاحب نے اشک۔ "سیلِ اشک" میں کی ہے۔ بحیثیت مجموعی اشک صاحب کا یہ انتخاب صاف ستھرا اور پڑھنے کے لائق ہے۔

فرشِ نظر

مجموعہ کلام رتن چند دردی

رتن صاحب کی نظموں، غزلوں اور رباعیات کا زیرِ تبصرہ مجموعہ شندہ پبلشنگ ہاؤس کیسر باغ۔ پٹھان کوٹ نے شایع کیا ہے۔ دو روپے میں دہلی سے مل سکتا ہے۔

رتن صاحب کا شمار اردو کے ان اہم شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی شاعری سے زبان و ادب کی بہت خدمت کی ہے۔ رتن صاحب کے شاگردوں کا ایک بڑا حلقہ ہے جو ان کی طرح اردو زبان و ادب کی خدمت کر رہا ہے۔ انھوں نے دل شاہ جہاں پوری، جوش ملیانی جیسے شعرا سے اصلاح لی ہے اور استفادہ کیا ہے یہی وجہ ہے زبان کا عیب نہیں۔ سب یا سقم سے پاک ہے۔ اور قدیم رنگ سخن کی اچھی اور قابلِ قدر مثال ہے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو کاپیاں آنا ضروری ہیں)

قطارِ شیشہ (مجموعۂ کلام)

مصنف:۔ خلش بڑودوی
ناشر:۔ ابراہیم انجم۔ سکریٹری بزم توفیق بڑودہ
صفحات:۔ ۱۴۲
قیمت:۔ ۳ روپے

مرحوم دلی کی ایک جھلک

مرتب:۔ شمیم احمد
ناشر:۔ ادارہ ادبیات دلی۔ ۶۰۰ قاسم جان اسٹریٹ دہلی
صفحات:۔ ۱۲۰
قیمت:۔ دو روپے پچاس پیسے

انوارِ نظر (مجموعۂ کلام)

مصنف:۔ منشی نوبت رائے نظر لکھنوی
ملنے کا پتہ:۔ شمع بک ڈپو آصف علی روڈ نئی دہلی
صفحات:۔ ۱۵۲
قیمت:۔ دو روپے ۵۰ پیسے

باقی صفحہ ۱۱ سے آگے

تک کوئی میٹنگ نہیں ہوئی یہ میٹنگ ہو تو شکایات دور کرنے پر اس کے ممبر امید ہے کچھ غور کریں گے۔

(۳) اس کمیٹی میں انجمن ہذا کے دو دو نہ کم از کم نمائندہ نامزد کردہ انجمن ہذا شامل فرمایا جائے تاکہ وہ اردو سے متعلق شکایات کمیٹی کے روبرو پیش کریں گے اور شکایات دور کرنے میں اپنا تعاون بھی پیش کریں گے۔

امید کہ اس عرضداشت پر فوری توجہ فرمائی جاکر ممنون فرمایا جائے گا اور عریضہ ہذا کی رسید سے بھی مطلع فرمایا جائے گا۔

(احمد الدین احمد شمائل جنرل سکریٹری)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر بشیرالدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ سے چھپوا کر پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شایع کیا